پریزنٹیشن
نمبر : 7

حلقہ خواتین امورِ خارجہ، انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین، کُلنا مریم، سکلرز، دارِ ارقم

کسی گھر پر ڈاکو قبضہ کرلیں تو مزاحمت اور واگزاری کی کوشش تمام اہل خانہ کا حق اور فرض ہوتا ہے۔لیکن فلسطین اور کشمیر پر یہ منطق مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ وہ نہ صرف مزاحمت چھوڑ دیں، بلکہ دل سے تسلیم کرلیں کہ یہ گھر اب ڈاکوؤں کا ہوگیا ہے۔بعض ناخلف افراد خانہ کو گھر کا ایک آدھ کمرہ دے کر یا راہداری دے کر منایا جارہا ہے کہ بس یہی پورا گھر ہے۔باقی سب غیر کی ملکیت ہے ڈاکوؤں اور ان کے سرپرست پورے کنبے میں سے صرف انھیں (باضمیر) افراد کو جینے کا حق دے رہے ہیں، باقی سب دہشت گرد ہیں اب انھی (باضمیروں) کو اپنے بھائی بندوں کے قتل عام پر لگایا جارہا ہے۔پوری دنیا اس عدل عالمی پر تحسین کی ڈونگرے برسا رہی ہے۔مظلوم گھرانے کے باقی تمام عزیز واقارب سے بھی گردان شروع کروادی گئی ہے کہ ''جب گھر کے اصل مالکوں نے ڈاکوؤں کو تسلیم کرلیا ہے تو ہم کیوں نہ کریں'' انھیں تو یہ بھی یاد نہیں کہ معاملہ کسی عام گھر کا نہیں، محبوبِ کائنات ﷺ کی جائے امامت ومعراج کا ہے جو خانہ خدا سے پہلے دنیا بھر میں پھیلی مسلم امت کا قبلہ تھا۔اسے مفاد کے چند بندوں کے رحم وکرم پر کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟

1. یہودی ابتداء نسل کشی Genocide کے مرتکب ہوکر فلسطین پر زبردستی قابض ہوئے تھے۔
2. شمالی فلسطین میں وہ صرف چار پانچ سو برس تک وہ آباد رہے۔
3. جنوبی فلسطین میں ان کے قیام کی مدت زیادہ آٹھ سو نو سو برس رہی۔
3. عرب شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال سے اور جنوبی فلسطین میں تقریبا دو ہزار سال سے آباد چلے آرہے ہیں۔

دو ہزار برس سے دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ یہ دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ بیت المقدس پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم ہیکل سلمانی کو پھر تعمیر کریں۔ ہر یہودی گھر میں مذہبی تقریبات کے موقع پر اس تاریخ کا پورا ڈراما کھیلا جاتا رہا ہے کہ ہم مصر سے کس طرح نکلے اور فلسطین میں کس طرح آباد ہوئے اور کیسے کابل والے ہم کو لے گئے اور ہم کس طرح سے فلسطین سے نکالے گئے اور تتر بتر ہوئے اس طرح یہودیوں کے بچے بچے کے ذہن میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے۔ کہ فلسطین تمھارا ہے اور تمہیں واپس ملنا ہے اور تمھارا مقصد زندگی یہ ہے کہ تم بیت المقدس میں ہیکل سلمانی کو پھر تعمیر کرو۔

ہیکل سلیمانی کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ اسے ۷۰ عیسوی میں بالکل مسمار کر دیا گیا تھا۔ حضرت عمر کے زمانے میں جب بیت المقدس فتح ہوا اس وقت یہاں یہودیوں کا کوئی معبد نہ تھا بلکہ کھنڈر پڑے ہوئے تھے اس لئے ''مسجد اقصیٰ'' اور ''قبہ صخرہ'' کی تعمیر کے بارے میں یہودی یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ ان کے معبد کو توڑ کر مسلمانوں نے یہ مساجد بنائی تھی یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ رومیوں کے زمانے میں فلسطین یہودیوں سے خالی کرلیا گیا تھا اور بیت المقدس میں ان کا داخلہ بھی ممنوع تھا یہ مسلمانوں کی شرافت تھی کہ انھوں نے پھر وہاں رہنے اور بسنے کی اجازت دی۔

ممبئی سے اسرائیل حکومت کا ایک سرکاری بلیٹن News from Isreal شائع ہوتا ہے۔ اس کی یکم جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیوارِ گریہ پہلے ملبے اور کوڑے میں گری ہوئی تھی اور اس کا کوئی نشان تک لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ ۱۶ ویں صدی عیسوی میں سلطان سلیم عثمانی کو اتفاقاً اس کے وجود کا علم ہوا اور اس نے اس جگہ کو صاف کر کے یہودیوں کو اس کی زیارت کی اجازت عطا کی۔ لیکن یہودی ایسی احسان فراموش قوم ہے کہ وہ مسلمانوں کی شرافت، فیاضی حسن سلوک کا بدلہ آج اس شکل میں ان کو دے رہی ہے۔

چنانچہ ۱۸۸۰ء سے مہاجرات کا سلسلہ شروع ہوا اور زیادہ تر مشرقی یورپ سے یہودی خاندان وہاں منتقل ہونے لگے۔اس کے بعد مشہور یہودی لیڈر تھیوڈور ہرتزل نے ۱۸۹۷ میں صہیونی تحریک Zionist Movement کا باقاعدہ آغاز کیا اور اس میں اس بات کو مقصود قرار دیا گیا کہ فلسطین پر دوبارہ قبضہ کیا جائے اور ہیکل سلمانی کی تعمیر کی جائے۔یہودی سرمایہ داروں نے اس غرض کے لیے بڑے پیمانے پر مالی امداد فرہم کی کہ فلسطین میں منتقل ہونے والے یہودی خاندان وہاں زمینیں خریدیں اور منظّم طریقے سے اپنی بستیاں بسائیں۔

پھر ۱۹۰۱ء میں ہرتزل نے سلطان عبدالحمید خاں (سلطان ترکی) کو باقاعدہ یہ پیغام بھجوایا کہ یہودی ترکی کے تمام قرض ادا کرنے کو تیار ہیں، آپ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کی اجازت دے دیں۔مگر عبدالحمید خان نے اس پیغام پر تھوک دیا اور صاف کہا کہ

”جب تک زندہ ہوں اور جب تک ترک سلطنت موجود ہے اس وقت تک اس کا کوئی امکان نہیں کہ فلسطین یہودیوں کے حوالے کیا جائے تمہاری ساری دولت پر میں تھوکتا ہوں“۔

ترکی اور عربی قوم پر تصادم:

ترکوں میں یہ تحریک اٹھائی گئی کہ وہ سلطنت کی بنیاد اسلامی اقوت کے بجائے ترکی قوم پرستی پر رکھیں، حالانکہ ترکی سلطنت میں صرف ترک ہی آباد نہیں تھے بلکہ عرب اور دوسری نسلوں کے مسلمان بھی تھے؟ ایسی سلطنت کو صرف ترکی قوم کی سلطنت قرار دینے کے صاف معنی یہ تھے کہ تمام غیر ترک مسلمان کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ختم ہو جائیں۔ دوسری طرف عربوں کو عربی قومیت کا سبق پڑھایا گیا اور ان کے دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے لئے جدوجہد کریں۔ عربوں میں اس عرب قوم پرستی کا فتنہ اٹھانے والے عیسائی عرب تھے، بیروت اس کا مرکز تھا، اور بیروت کی امریکن یونیورسٹی اس کو فروغ دینے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ اس طرح ترکوں اور عربوں میں بیک وقت دو متضاد قسم کی قوم پرستیاں ابھاری گئیں اور ان کو یہاں تک بھڑکایا گیا کہ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو ترک اور عرب ایک دوسرے کے رفیق ہونے کے بجائے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔

ڈاکٹر وائزمین ہی اس وقت یہودیوں کے قومی وطن کی تحریک کا علمبردار تھا۔ آخر کار اس نے ۱۹۱۷ء میں انگریزی حکومت سے وہ مشہور پروانہ حاصل کر لیا جو اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ انگریزوں کی بد دیانتی کا شاہکار ہے کہ ایک طرف وہ عربوں کو یقین دلا رہے تھے کہ ہم عربوں کی خود مختار ریاست بنائیں گے اور اس غرض کے لیے انہوں نے شریف حسین کو تحریری وعدہ دے دیا تھا اور اسی وعدے کی بنیاد پر عربوں نے ترکوں سے بغاوت کر کے فلسطین اور عراق اور شام پر انگلستان کا قبضہ کرا دیا تھا۔ دوسری طرف وہی انگریز یہودیوں کو باقاعدہ یہ تحریر دے رہے تھے کہ ہم فلسطین، اعراق اور انگلستان پر قبضہ کر لیں گیں، ہم فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنائیں گے۔ یہ اتنی بڑی بے ایمانی تھی کہ جب تک انگریزی قوم دنیا میں موجود ہے وہ اپنی تاریخ پر اس کالنک کے ٹیکے کو نہ مٹا سکے گی۔

لارڈ بالفور نے اپنے خط کے متعلق اپنی ڈائری میں یہ الفاظ لکھے تھے:

''ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔صیہونیت ہمارے لیے ان ساتھ لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصّبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو اس قدیم سرزمین میں اس وقت آباد ہیں''

بالفوز کی ڈائری کے یہ الفاظ آج بھی برطانوی پالیسی کی دستاویزات (Documents of British Policy) کی جلد دوم میں ثبت ہیں۔

۱۸۸۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۷ء تک اس مرحلے کی تکمیل میں ۳۷ سال صرف ہوئے۔اس کے بعد اس منصوبے کا دوسرا دور شروع ہوا جس میں مجلسِ اقوام (League of Nations) اور اس کی اصل کارفرما دو بڑی طاقتوں، برطانیہ اور فرانس نے بالکل اس طرح کام کیا گویا وہ آزاد سلطنتیں نہیں ہیں بلکہ محض صہیونی تحریک کی ایجنٹ ہیں۔۱۹۲۲ء میں مجلسِ اقوام نے فیصلہ کیا کہ فلسطین کو انگریزوں کے انتداب (Mandate) میں دے دیا جائے۔اس موقع پر فلسطین میں مردم شماری کرائی گئی تھی اس میں مسلمان عرب ۶۶۰۶۴۱، عیسائی عرب ۷۱۶۶۴ اور یہودی ۸۲۷۹۰ تھے،اور یہودیوں کی اتنی آبادی بھی اس وجہ سے تھی کہ وہ دھڑا دھڑ وہاں جا کر آباد ہو رہے تھے۔

اس طرح ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ۳۰ سال کے اندر یہودی منصوبہ کا دوسرا مرحلہ مکمل ہوا۔ جس میں وہ اس قابل ہو گئے کہ فلسطین کو یہودیوں کا ''قومی وطن'' بنانے کی بجائے فسطین میں ان کی ''قومی ریاست قائم کر دیں''۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا یہ فیصلہ ہوا کس طرح ؟ اس فیصلے کے حق میں ۳۳ ووٹ اور اس کے خلاف ۱۳ ووٹ تھے۔ دس ملکوں نے کوئی ووٹ نہیں دیا۔ یہ کم سے کم اکثریت جس سے جنرل اسمبلی میں کوئی ریزولوشن پاس ہو سکتا تھا چند روز پہلے تک اس تجویز کے حق میں اتنی اکثریت بھی نہ تھی صرف ۳۰ ملک اس حق میں تھے آخر کار امریکہ نے غیر معمولی دباؤ ڈال کر ہائٹی، فلپائن اور لائبریا کو مجبور کر کے اس کی تائید کروائی۔ یہ بات خود امریکہ کانگرس کے ریکارڈ پر موجود ہیں کہ یہ تین ووٹ زبردستی حاصل کیے گئے تھے اور جیمز فوریسٹال اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ اس معاملہ میں دوسری قوموں پر دباؤ ڈالنے اور ان کو ووٹ دینے پر مجبور کرنے کے لیے جو طریقے استعمال کیے گئے وہ شرمناک کاروائی سکینڈل کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔

فلسطین کا ۵۵ فی صدی رقبہ ۳۳ فیصد یہودی آبادی کو، اور ۴۵ فی صدی رقبہ ۶۷ فی صدی عرب آبادی کو دیا گیا، حالانکہ اس وقت تک فلسطین کی زمین کا صرف ۶ فی صدی حصہ یہودیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ یہ تھا اقوام متحدہ کا انصاف!! آرنلڈ ٹائن بی ان کے متعلق اپنی کتاب A Study Of History میں کہتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی ان مظالم سے کم نہ تھے جو نازیوں نے خود یہودیوں پر کیے تھے۔ دیر یاسین میں ۱۹ اپریل ۴۸ء کے قتلِ عام کا خاص طور پر اس نے ذکر کیا ہے۔ جس میں عرب عورتوں، بچوں اور مردوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا گیا، عرب عورتوں اور لڑکیوں کا برہنہ جلوس سڑکوں پر نکالا گیا اور یہودی موٹروں پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھرے کہ، ہم نے دیر یاسین کی عرب آبادی کے ساتھ یہ اور یہ کیا ہے، اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی یہ ہی ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔

۱۴ مئی ۴۸ء کو عین اس وقت جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی فلسطین کے مسئلے پر بحث کر رہی تھی، یہودی ایجنسی نے رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا، اور سب سے پہلے امریکہ اور روس نے آگے بڑھ کر اس کو تسلیم کیا، حالانکہ اس وقت تک اقوامِ متحدہ نے یہودیوں کو فلسطین میں اپنی قومی ریاست قائم کرنے کا مجاز نہ کیا تھا۔ اس اعلان کے وقت ۲ لاکھ سے زیادہ عرب گھر سے بے گھر کیے جا چکے تھے، اور اقوامِ متحدہ کی تجویز کے بلکل خلاف یروشلم (بیت المقدس) کے آدھے سے زیادہ حصے پر اسرائیل قبضہ کر چکا تھا۔

نومبر ۴۸ء میں اسرائیلی ریاست کا رقبہ ۷۹۹۳ مربع میل تھا۔ جون ۶۷ء کی جنگ میں اس کے اندر ۲۷ ہزار مربع میل کا اضافہ ہو گیا اور ۱۴، ۱۵ لاکھ عرب یہودیوں کے غلام بن گئے۔ ۱۹ برس کی مدت میں امریکہ نے اسرائیل کو ایک ارب ۶۰ کروڑ ڈالر کی مالی امداد دی۔ مغربی جرمنی سے اس کو ۸۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کا تاوان دلوایا گیا۔ اور دنیا بھر کے یہودیوں نے دو ارب ڈالر سے زیادہ چندے دے کر اس کی مالی پوزیشن مضبوط کی۔ جنگی حیثیت سے اس کو زِفرق تا بقدم اس قدر مسلح کر دیا گیا کہ جون ۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی امریکی ماہرین کا یہ اندازہ تھا کہ وہ صرف چار پانچ دن کے اندر اپنے گرد و پیش کی تمام عرب ریاستوں کو پیٹ لے گا۔

انگریزوں کی اسرائیل نوازی کا حال یہ تھا کہ ان کا ایک طیارہ بردار بحری جہاز مالٹا میں اور دوسرا عدن میں ایک منٹ کے نوٹس پر اسرائیل کی مدد پر حرکت کرنے کو تیار کھڑا تھا۔ جنگ کے بعد لنڈن سنڈے ٹائمز نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام The Holy War, June 67۔ اس کا جو باب بیت المقدس پر یہودی قبضے کے بیان میں اس کا عنوان رکھا گیا ہے، Back After 896 Years یعنی ۸۹۶ برس کے بعد واپسی۔ اب یہ ظاہر کہ ۸۹۶ سال پہلے بیت المقدس پر سے صلیبی عیسائیوں کا قبضہ اٹھا تھا نہ کہ یہودیوں کا۔ اس کے صاف معانی یہ ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ انگریزوں کی ہمدردی میں صلیبی جذبہ کام کر رہا تھا اور اس لڑائی کو وہ صلیبی جنگوں ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے۔

اب درحقیقت جس چیز سے دنیائے اسلام کو سابقہ درپیش ہے وہ یہودیوں کا چوتھا اور آخری منصوبہ ہے جس کے لیے وہ دو ہزار سال سے بے تاب تھے اور جس کی خاطر وہ ۹۰ سال سے باقاعدہ ایک اسکیم کے مطابق کام کرتے رہے ہیں۔ اس منصوبے کے اہم ترین اجزا دو ہیں۔ ایک یہ کہ ''مسجدِ اقصیٰ'' اور ''قبۂ صخرہ'' کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی پھر سے تعمیر کیا جائے، کیونکہ اس کی تعمیر ان دونوں مقاماتِ مقدسہ کو ڈھائے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دوسرا یہ کہ اس پورے علاقے پر قبضہ کیا جائے جسے اسرائیل اپنی میراث سمجھتا ہے۔

یہ میراث کا ملک کیا ہے؟ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں،

اے اسرائیل، تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔

دنیا میں اسرائیل ہی صرف ایک ایسا ملک ہے جس نے کھلم کھلا دوسری قوموں کے ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ عین اپنی پارلیمنٹ کی عمارت پر ثبت کر رکھا ہے۔

ان میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ، اور جگر تھام کر سنیے کہ مدینہ منورہ تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔

۹ دسمبر ۱۹۸۷ء میں انتفاضہ تحریک شروع ہوئی، ۱۹۹۳ء تک یہ تحریک پوری طاقت کے ساتھ سرگرم رہی، اور انتفاضہ کے ساتھ ہی حماس کا قیام بھی عمل میں آیا، جس نے اپنے مئوسس اور انتفاضہ کے روح رواں شیخ احمد یاسین شہید کی قیادت میں بہت زیادہ عوامی مقبولیت حاصل کی۔ اس وقت تنہا حماس ہی اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کر رہا ہے، الفتح جو مزاحمت کے لیے قائم ہوئی، متعدد معاہدوں کی رو سے اسرائیل کی معاون ہوگئی ہے اور اکثر عرب حکومتوں کی تائید اسی کو حاصل ہے، غزہ کا حصار اور اسرائیلی حملہ کے دوران یہ بات کھل کر سامنے آگئی، عالم اسلام قضیہ فلسطین سے الگ ہوگیا ہے اور بعض حلقوں نے صرف عربوں کا قضیہ بنا دیا ہے جس کی وجہ سے فلسطین عالم اسلام کی تائید سے محروم ہو رہا ہے۔

۱۹۸۰ کے اواخر اور نوے کے اوائل میں عربی اور بین الاقوامی پیمانہ پر ایسی تبدیلیاں وجود میں آئیں جن سے فلسطینی اور عربی موقف میں کمزوری پیدا ہوئی، خاص طور پر ۲ اگست ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراقی حملہ سے عربی قوت تتر بتر ہوگئی، نتیجہ خود عرب ممالک میں دشمنانہ ماحول قائم ہوا اور عراق کی فوجی قوت، عربی ذخائر اور درآمدات میں کمی آئی، عراقی حملہ اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی خلیجی جنگ کے نتائج مسئلہ فلسطین کے حق میں بڑے اندوہناک ثابت ہوئے اور کویت کی مدد سے محروم ہوگیا۔

اس وقفہ میں امریکہ بھی سویت یونین کے زوال اور خصوصاً ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی قوت بن کر سامنے آیا، سرزمین فلسطین میں یہودیوں کے اثر ورسوخ سے حالات مزید ابتر ہوتے گئے، بالآخر اکتوبر ۱۹۹۱ء میں میڈرید کی عرب ممالک کو کھینچ لانے میں امریکہ کامیاب ہو گیا، جس کے بعد براہ راست عرب اور اسرائیل مذکرات کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔

۲ سال کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان اوسلو معاہدہ کا اعلان کیا گیا، اور ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء میں امریکی صدر بل کلنٹن، یاسر عرفات اور اسحٰق رابین کی موجودگی میں سرکاری طور پر دستخط کئے، فلسطینوں کی جانب سے محمود عباس نے اور اسرائیل کی جانب سے اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیرز نے دستخط کئے، روس اور امریکہ کے وزیر خارجہ نے بحیثیت مشاہد دستخط کئے، اس کے بعد مختلف معاہدہ ہوئے جس میں بنیادی طور پر صہیونی مفادات کا خیال رکھا گیا اور فلسطینی حکومت جو اوسلو معاہدہ کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی وہ حساس مسائل کے حتمی فیصلہ تک پہنچنے میں ناکام رہی۔

پوری یورپی دنیا کھل کر اسرائیل کی تائید کرتی رہی، اس کا مظاہرہ ۱۹۱۸ء میں ہوا، اور اس کے بعد ۲۰۰۹ء میں غزہ پر اسرائیلی ناکہ بندی اور ہوائی حملوں کے دوران کھلے طور پر ہوا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے اسرائیلی دورہ میں اسرئیل پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا تھا کہ تمہارا زوال ہمارا زوال ہے، امریکا اب بھی تمہارے ساتھ ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

خودکلامی۔۔۔زبیر منصوری

ڈھونڈتا رہا کہ پوری جنگ کے دوران مجھے کہیں حماس روتی ہوئی نظر آئے۔۔یہ کہتی نظر آئے کہ دنیا والو دیکھو ہمیں مار گئے ہم بے بس لوگ بے چارے غریب مسکین بھوکے پریشان ڈھونڈتا رہا کہ کہیں مجھے ان کی لیڈر شپ کے پر عزم روشن خوبصورت چہرے پژمردہ پریشان اور ہارے ہوئے دکھائی دیں ڈھونڈتا رہا کہ کہیں وہ ہاتھ جوڑ کر جنگ بندی کی اپیلیں کرتے نظر آئیں نہیں ملے ، کہیں نہیں ملے ،

مجھے ہمیشہ شیخ احمد یاسین کے یہ تربیت یافتہ بچے حوصلے عزم اللہ پر بھروسہ اس کے زندہ معجزے قرآن سے یقین اور حوصلہ کشید کرتے ملے انہوں نے زہانت سے غزہ کی ٹوٹی عمارتوں شہادتوں روتے بچوں سب کچھ کو ایک "برانڈ" بنادیا کسی لسانی مذہبی عربی عجمی تفریق کے بغیر ایران ہو یا ترکی سب سے مدد لی استاد رائد افضل کے بقول مغرب میں پلی بڑھی مرعوبیت سے پاک نوجوان مسلم نسل کو اپنا ایمبیسیڈر بنادیا، مغربی عوام کو ان کی زبان ان کی اصطلاحات ان کے انداز میں اپنی پشت پر کھڑا کر لیا انہوں نے رونے دھونے کے بجائے اس مسئلے کو موقعہ بنالیا ایک طرف دشمن کی سب سے بڑی کمزوری موت کے خوف کو استعمال کیا اور دوسری طرف اپنی لاشوں اور مظلومیت کو اپنی نہیں "انسانیت کی موت" بنا کر عام مغربی انسان کو اسرائیل کے مدمقابل کھڑا کر دیا انہوں نے سوچا ہمارے پاس لاشیں ہی تو ہیں وافر مقدار میں پھر انہیں کو کیوں نہ اس مارکیٹ اکانومی کے دور میں "بیچ" دیا جائے۔

اور پھر جیسے ہی جنگ بند ہوئی وہ نقصان دکھانے اور مارے گئے تباہ ہو گئے لٹ گئے کی دہائیاں دینے کے بجائے فتح کامیابی جیت عزم حوصلہ کے نعروں کے ساتھ باہر نکلے مسجدیں بھر گئیں فائر ورک شروع ہو گیا اور پورا اپیکٹ یہ بنا دیا کہ "

بیٹا اسرائیل ہمیں کبھی ہلکا مت لینا اوقات میں رہنا ایمان ہو یا عقل جدوجہد ہو یا اسٹریٹجی خبر کا میزائل ہو یا بارود کا میزائیل تم ہمیں کہیں مرعوب نہیں پاو گے "حماس کے کالی داڑھیوں والو تم جیسے جوانوں کو اللہ اب امت کے پیروں کا استاد کر دے۔۔اور امت کی ماوں بچوں کے دودھ اور گھٹی میں اپنی تاریخ سے عزم کامیابیاں حوصلہ اور یقین لے کر گھول دو کیونکہ ہر وقت محض شکست ناکامی مظلومیت کا ذکر قوموں کے لئے زہر ہوتا ہے

غزہ فلسطین کی حالیہ صورتحال پر ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (انڈیا) کا بہترین تجزیہ اور خاص طور پر ان لوگوں کے لیئے جو حماس کے اسرائیل پر حملے کو ایک حماقت یا بے وقوفی سے تشبیہ دے رہے ہیں ان کو بہترین جواب۔

_ فتح قربانیوں سے حاصل ہوتی ہے

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اسرائیل اور حماس کے درمیان گیارہ روزہ جنگ کا بالآخر خاتمہ ہو گیا_ اس جنگ میں فریقین کی جنگی طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں تھا_ اسرائیل ہر طرح کے خطرناک جنگی اسلحہ سے لیس، جب کہ حماس کے لوگ تقریباً نہتّے_ جنگ کے نتیجے میں دونوں طرف ہونے والی ہلاکتوں کے تناسب میں بھی کافی فرق رہا_ چنانچہ اسرائیل کی طرف صرف 12 شہری ہلاک ہوئے، جب کہ غزّہ (فلسطین) میں ہلاکتوں کی تعداد 243 بتائی گئی ہے، جن میں 66 بچے ہیں_ اسرائیل کی اندھا دھند بمباری کے نتیجے میں غزہ میں بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی ہے اور املاک کا نقصان ہوا ہے، چنانچہ سیکڑوں رہائشی عمارتیں، اسکولس، ہاسپٹلس اور پناہ گزیں کیمپس اس کے بموں کا نشانہ بنے ہیں_ لیکن جنگ کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ خود اسرائیل کو غیر مشروط طور پر جنگ بندی کا اعلان کرنا پڑا، جب کہ حماس نے اس وقت تک اس کے لیے آمادگی ظاہر نہ کی جب تک اس کی شرائط نہیں مان لی گئیں_ اس سے حماس کی برتری ظاہر ہوتی ہے اور اس چیز کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ فتح _ اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دینا ناگزیر ہے

اسرائیل حماس حالیہ جنگ کے نتیجے میں اہل فلسطین کو بہت سے فائدے حاصل ہوئے ہیں_ تجزیہ نگار آئندہ کافی دنوں تک ان کا تجزیہ کرتے رہیں گے_ مثال کے طور پر قضیۂ فلسطین پسِ پشت چلا گیا تھا، اس جنگ کے نتیجے میں وہ پھر ابھر گیا ہے_ عالمی سطح پر فلسطین کے حمایتی ممالک میں اضافہ ہوا ہے_ تمام ممالک میں اسرائیل کے خلاف اور اہل فلسطین کی حمایت میں زبردست مظاہرے ہوئے ہیں_ اسرائیل اپنی درندگی، حیوانیت اور دہشت گردی کے سبب اقوامِ عالم میں مبغوض ٹھہرا ہے اور اس کے خلاف بین الاقوامی نفرت میں اضافہ ہوا ہے_ اس کی ڈپلومیسی پوری دنیا میں کمزور ہوئی ہے_ اسرائیل کو ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے کا مفروضہ غلط ٹھہرا ہے اور حماس کو ایک قابلِ لحاظ طاقت تسلیم کیا گیا ہے_ اسرائیل کی اقتصادیات پر کاری ضرب لگی ہے ،اس لیے کہ حماس کے راکٹوں کو روکنے کے لیے اسرائیل کے آئرن ڈومس سے فائر کیے جانے والے راکٹس کی قیمت کا اندازہ کروڑوں ڈالر میں لگایا گیا ہے_ اس طرح متعدد پہلوؤں سے اہل فلسطین کو اسرائیل پر سیاسی، عسکری اور نفسیاتی برتری حاصل ہوئی ہے_

حالیہ جنگ نے یہود کے بارے میں قرآن مجید کے اس بیان کی تصدیق کر دی ہے کہ وہ زندگی کے بڑے حریص اور موت سے بہت زیادہ خوف زدہ رہنے والے ہیں_ قرآن مجید میں ہے

" اِن سے کہو: اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصُوص ہے، تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنّا کرو، اگر تم اس خیال میں سچّے ہو_ یقین جانو کہ یہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے، اس لیے کہ اپنے ہاتھوں جو کچھ کما کر انہوں نے وہاں بھیجا ہے، اس کا تقاضا یہی ہے (کہ یہ وہاں جانے کی تمنا نہ کریں) اللہ ان ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے_ تم انہیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے، حتّٰی کہ یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس جیے، حالاں کہ لمبی عمر بہر حال اُسے عذاب سے تو دُور نہیں پھینک سکتی۔ جیسے کچھ اعمال یہ کر رہے ہیں، اللہ تو انہیں دیکھ ہی رہا ہے_ (البقرۃ:94 _ 96) چنانچہ حماس کی طرف سے جیسے ہی راکٹ داغے جاتے تھے، پورے اسرائیل میں سائرن بج اٹھتے تھے اور یہودی آبادی کی غالب اکثریت بُنکروں میں جا چھپتی تھی_ روز روز کی اس صورت حال سے اسرائیلیوں پر کتنے گہرے منفی نفسیاتی اثرات پڑے ہیں اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جب کہ اسرائیل کے بموں سے غزہ کی کوئی رہائشی عمارت زمیں بوس ہوتی تھی تو اس کے مکین ملبے پر بیٹھ کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے اور فتح کا نشان بناتے تھے_

میں، میں اور صِرف میں

محمد عبدالشکور

غزہ (فلسطین) کے معصوم بچوں کے خدّ و خال پر ایک بار پھر خون کا غازہ مَل دیا گیا ہے۔ اتنی وحشیانہ بمباری ہوئی ہے کہ مشرق و مغرب کی بے حِس روحیں بھی تڑپ اُٹھی ہیں۔

مسلم معاشروں میں ردِ عمل کا ہونا اگرچہ بہت فطری تھا، مگر وہ محض جذباتی اور خود ملامتی ہی رہا۔ بس یہی زیرِ بحث رہا کہ ساتوان مسلمان ملکوں کی فوجیں کہاں ہیں اور وہ فلسطینیوں کی مدد کو کیوں نہیں پہنچیں؟

یہ ایٹم بم آخر کس کام آئے گا؟ اگر یہ مسلمانوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔

مالدار عرب مُلک امریکہ اور یورپ کا معاشی بائیکاٹ کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ انہیں اپنی معاشی طاقت سے جھکا سکیں۔

ڈیڑھ ارب مسلمان بے غیرت کیوں ہو گئے ہیں؟ ہمارے حُکمران اتنے ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ •

ہماری ساری اُنگلیاں اکثر دوسروں کی طرف اُٹھتی ہیں، اپنی طرف مگر کبھی کم ہی کوئی انگلی اُٹھتی نظر آئے گی۔

آج مگر مجھے دوسروں کی نہیں، اپنی غیرت و حمیت کا اندازہ لگانا ہے۔

عصر حاضر میں 'وطنیت' کی بنیادیں اتنی گہری کر دی گئی ہیں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے اپنے فلسطینی بھائیوں کی کچھ مدد کرنی چاہی تو بھی نہیں کر سکے_ اس موقع پر انھوں نے ان کے حق میں دعائیں کی ہیں اور زبان و قلم اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان کے حق میں آواز بلند کی ہے_ مسلم ممالک کچھ کر سکتے تھے، لیکن وہ بھی مذمّتی قراردادوں سے آگے نہیں بڑھ سکے، لیکن غزہ کے مجاہدوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے امّت کی لاج رکھ لی ہے_ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے_ ان کی جدّوجہد سے ثابت ہو گیا کہ فتح و کامرانی صرف زبانی جمع خرچ سے نہیں حاصل ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے قربانیاں ناگزیر ہیں_ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسُول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنّتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا ۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور وہ دُوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نُصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبیؐ! اہل ایمان کو اِس کی بشارت دے دو

میں کہ تیل کی دولت سے مالا مال کسی مُلک کا بادشاہ نہیں جو امریکہ و اسرائیل کا تجارتی بائیکاٹ کر سکوں۔
میں کہ کسی طاقتور ملک کا فوجی سربراہ بھی نہیں کہ فلسطین میں فوجیں اُتار کر دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر سکوں۔
میں کہ کسی جمہوری ملک کا وزیر اعظم بھی نہیں کہ اسلامک سمٹ بلا کر ڈپلومیسی سے دشمن کو زِیر کر پاؤں۔
میں کہ ایک تنہا روح مگر
مسلم معاشرے کا باحوصلہ، بیدار اور دھڑکتا دِل ہوں، خاموش اور بے حمیت کیسے رہ سکتا ہوں؟

میں، میں اور میں مِل کر غزہ کے معصوم بچوں کے تباہ شدہ سکول کی دیواریں اور چھت تو دوبارہ کھڑی کر سکتا ہوں۔
میں، میں اور میں سے مل کر ملبے تلے دبے، زخموں سے چُور لوگوں کو ہسپتال پہنچانے کے لئے ایک ایمبولنس تو فراہم کر سکتا ہوں۔
میں، میں اور میں مل کر ایک اُجڑے گھر کو چھت اور چار دیواری کی تعمیر کا مٹیریل تو فراہم کر سکتا ہوں۔
اور میں، میں اور میں مل کر غزہ کے یتیم چند بچوں کی کفالت کی ذمہ داری تو لے سکتا ہوں۔

میں، میرے بھائی اور بہنیں یہ بات ٹھیک طرح سمجھ لیں کہ میرے جذباتی ہونے اور ماتم کرنے سے کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔
میں جو اور جتنا کچھ ہوں اور جو کر سکتا ہوں، مجھے آج ہی اس کا آغاز کر دینا چاہیئے۔ میرا رب میرے ارادوں اور میرے وسائل کو جانتا بھی ہے اور اُنہیں دیکھ بھی رہا ہے۔ وہ مجھ سے فقط انہی وسائل اور صلاحیتوں کا حساب لے گا۔
اور ہاں الحذمت کے بیدار مغز اور جفاکش رضاکار میری کال کے ہمہ وقت منتظر ہیں تاکہ میری محبتوں کے پارسل پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کی مُہر کے ساتھ غزہ کے بہن / بھائیوں تک جلد سے جلد پہنچا سکیں۔ آج مجھے دوسروں کی نہیں صرف اور صرف اپنی غیرت کا اندازہ لگانا ہے۔

پھر غزہ کے خال و خد پہ خون کا غازہ لگا
اور "میں" چُپ ہوں؟ مری غیرت کا اندازہ لگا

لبیک یا اقصیٰ۔۔۔شاہراہ فیصل آپ کی منتظر۔۔
افشاں نوید

آپ کے اطراف میں جو بھی واقعات ہوتے ہیں وہ "لوگوں" کے ساتھ "آپ" کی بھی آزمائش ہوتے ہیں۔
مثلاً خاندان میں کوئی شدید بیمار ہوا۔
کچھ لوگ دوڑ کر گئے۔
کوئی لفافہ لے کر گیا۔
کوئی گھر کی ہانڈی اٹھا کر دے آیا۔
'کسی نے دیارِ غیر سے فون کیا" اچھا علاج کرانا پیسوں کی فکر نہ کرنا۔
کوئی سجدے میں شفایابی کے لیے آہ وبکا کر رہا ہے۔

میں نے سوچا میرے اپنے بہت مسائل ہیں۔
اتنا بھرا پرا خاندان کئی پر سان حال ہونگے۔
پھر یہ کہ میرے کون کام آجاتا ہے؟
مزید یہ کہ میرے حاسدین کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ ہم نوے فیصد عورتوں کا اس پر اتفاق ہے

!!!اس لیے اب سوچا ہے سوچ سمجھ کر رشتہ داریاں نبھاؤں گی

یہ تو ایک مثال ٹھہری۔

پڑوس میں انتقال ہوا۔

کسی نے اپنے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔

کسی کے بیٹے آموجود کہ ہمیں بتائیں کیا انتظامات کرنے ہیں۔

کسی نے کھانے پینے کا انتظام سنبھال لیا۔

کسی نے قرآن خوانی شروع کر دی۔

ہم نے سوچا یہ پڑوسی ہمارے کب کام آئے ہیں۔

جن سے ان کی بنتی ہو گی وہی کام بھی آئیں گے۔

پھر یہ کہ ایک محلہ میں میرا ہی گھر تھوڑی ہے۔

سو ہم چپ چاپ دروازے بھیڑے بیٹھے رہے وہاں منکر نکیر کے سوال جواب بھی ہو گئے۔

کسی غریب رشتہ دار کی بیٹی کی شادی ہے۔
کوئی اپنی جیب سے کر رہا ہے۔
کوئی کسی دوسرے کو تحریک دلا رہا ہے۔
کسی نے خامشی سے کھانا اپنے ذمے لے لیا۔
کسی نے دولھا کی سلامی۔

میں نے سوچا۔۔۔ آج کل سب ہی ہینڈ ٹو ماؤتھ ہیں۔
دیار غیر میں انکے جو عزیز ہیں کیا وہ نہ کام آئے ہونگے ؟؟
اتنا بڑا کنبہ ہے۔
ایک میں ہی اکیلی تو نہیں کہ ہر ایک کے غم میں گھلوں۔
!!!ایک جان پر کتنے ستم سہوں۔ ہلکان ہو گئی ہوں۔ کاندھوں پر حقوق کی پوٹلی ہے کہ ہلکی ہونے میں ہی نہیں آتی
بچی پیا دیس سدھاری میں بلڈ پریشر ہائی ہونے کی دھائی دے کر شادی میں بھی نہ شریک ہوئی۔

فلسطین ہی کے قضیے کو لیں
کسی نے کہا پہلے پاکستان کے حالات تو ٹھیک کر لو۔
کسی نے کہا حکومت نااہل، حکمران ناعاقبت اندیش۔
تمہارے جلسوں سے اسرائیل کا کیا نقصان ہو گا۔
گلے پھاڑ کر لاکھ نعرے لگاؤ میاں یہ آواز فلسطین تک تھوڑی پہنچ رہی ہے۔
کسی نے کہا یہ مذھبی جماعتیں فنڈنگ کے بہانے تلاش کرتی ہیں۔
کسی نے کہا کوئی امہ ومہ نہیں یہ زمین کا جھگڑا ہے۔
کسی نے کہا اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔
کچھ نے خبریں پڑھیں صفحہ پلٹ دیا، ٹی وی دیکھا چینل بدل دیا۔ کوئی راتوں کو رویا, استغفار کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا
کوئی تڑپ رہا تھا کہ انکی ضروریات کا اندازہ ہو۔ کوئی جھولی پھیلا رہا تھا۔
کوئی سڑکوں پر جلسوں کے ھجوم میں شامل ہو رہا تھا کہ میرا بھی سر شمار ہو جائے۔
کوئی دروازہ بند کیے بیٹھا تھا کہ یہ سیاسی جماعتوں کی ریٹنگ ہے۔
یہ مولوی، ملا امت کے درد میں مرے جاتے ہیں یہاں عرب اور عجم ایک نہیں۔

دنیا سے تو سب نے گزر ہی جانا ہے۔
حالات واقعات سانحات بھی انسانی دنیا میں ہوتے رہیں گے۔
قبر میں تو وہ بھی چلی گئیں جو ساری زندگی کشمیر کے لیے فنڈ اکٹھا کرتی رہیں۔ کشمیر آزاد تو نہیں ہو گیا مگر وہ اپنا نامۂ اعمال کتنی حسنات سے سجا کر لے گئیں۔
سو گھر سے نکلئے۔ سر گنوایئے۔۔۔۔

جنگ بندی ہو گئی ہم بھی امن میں آ گئے۔

افشاں نوید

وہ معصوم بچوں کی لہو رنگ تصاویر، ملبہ عمارات،
جوانوں کے لاشے، جو ہم ایک دوسرے کو فارورڈ کر کے اپنے ایمانوں کی تجدید کرتے رہے۔۔ کیا ان کا اتنا ہی حق تھا ہم پر کہ۔۔۔
ان کے لیے فنڈنگ کر کے مطمئن ہو جائیں۔
سڑک پر آ کر اپنے کلمہ گو ہونے کا ثبوت دے کر بیٹھ جائیں۔
یا اس سے آگے اقصیٰ کا کوئی اور قرض بھی ہے ہم پر۔۔

ایسا نہیں کہ اسرائیل کی کامیابی کی وجہ محض ان کے ہتھیار اور وسائل ہیں۔
وہ دنیا کی ذہین ترین قوم ہیں۔
ان کی آبادی ہمارے کراچی شہر کی نصف بھی نہیں۔ دنیا کے نقشہ پر وہ بلبل کے آنسو سے بھی کم حجم رکھتے ہیں مگر۔۔۔
اپنے تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے تمام علوم عبرانی زبان میں منتقل کر چکے ہیں۔
ان کا بچہ بچہ اپنی تاریخ سے واقف ہے۔ ہیکل سلمانی کی لوریاں مائیں دوران حمل انکو سناتی ہیں۔ پھر اس کے خواب انکو گھٹی میں پلاتی ہیں۔
ہمارے بچوں کو ارض فلسطین کی تاریخ کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟؟

ہماری یونیورسٹیوں کے طالب علم صلیبی جنگوں کے بارے میں کتنا جانتے ہیں، سوال کر کے دیکھ لیں۔
ہماری ضعیفی کی وجہ ہماری معاشی پسماندگی نہیں ہے۔
وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ سے ناتا توڑ لیا ہے۔
ناقدین کہتے ہیں ہماری تاریخ ایک رومانوی داستان ہے۔
ہم ماضی کو بھول کر مستقبل کی بات کریں۔
سو، ہم نے تاریخ بھلا دی۔
ہمارے بچوں کو تو سقوط ڈھاکہ کے بارے میں علم نہیں۔
پاکستان کے تعلیمی اداروں کا سروے کر لیں۔
کتنے بچے تاریخ پڑھنا پسند کرتے ہیں؟
ہم یونیورسٹی میں تھے تو جنرل ہسٹری اور اسلامک ہسٹری پڑھنے والوں کے بارے میں یہی رائے عام ہوتی تھی کہ جن کو کہیں داخلہ نہیں ملتا وہ ان شعبوں میں آجاتے ہیں۔
زندہ قومیں اپنی تاریخ کو اسلاف کی میراث کی طرح سینے سے لگا کر رکھتی ہیں۔
مجھے حیرت ہوتی ہے ہمارے بچے امریکہ میں ہسٹری اختیاری مضمون کے طور پر پڑھنا پسند کرتے ہیں۔
ہماری امریکہ میں مقیم ایک عزیزہ بولیں "میں نے انگلش لینگویج کورس میں داخلہ لیا۔

ہمارے بچے کیا جانیں کہ ہزار برس قبل علم کے " امام "ہم تھے۔
جس کو علم سیکھنا ہوتا تھا وہ پہلے عربی زبان سیکھتا تھا۔
جیسے آج کی نسل اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ و یورپ جاتی ہے اس وقت یورپ کے لوگ اندلس آیا کرتے تھے۔
تہذیب تمدن, صفائی ستھرائی کے لیے ہمارے شہر ایک عالم میں مثال تھے۔
ہماری تاریخ ایک روشن تاریخ ہے۔
اپنے آباء کا ذکر ہمارے لہو کو گرم رکھتا ہے۔
قرآن نے اہل عرب کو کہا کہ حج کے ایام میں جیسے فخر سے اپنے اسلاف کا ذکر کرتے تھے اب اللہ کو یاد کرو۔۔
!!!لوگ کیوں آباء کے کارناموں کو فخر سے یاد کرتے تھے
اہل عرب تو اپنے گھوڑوں تک کے شجرۂ نسب اپنے بچوں کو یاد کراتے تھے۔
زندہ قوموں کے زندہ اطوار ہوتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا ذکر یونہی تو قرآن میں اتنی شدت سے نہیں کیا گیا کہ انکے ماضی سے سبق سیکھیں۔
مسجد اقصیٰ، سرزمین فلسطین ہماری عزیمتوں کی داستان ہے۔
جیسے ارطغرل رگوں میں لہو دوڑا دیتا ہے یہی مسلمانوں کا ماضی ہے۔
اپنے بچوں کو اپنے روشن ماضی سے جوڑیں تب وہ مستقبل کی پیش بینی کے قابل ہونگے۔

*!حماس کے بانی رہنما شیخ احمد یاسین رحمہ اللہ کے انٹرویو سے اقتباس

احمد منصور: 1948ء میں اسرائیل کا قیام ہوا اور اب اسے 50 سال ہو چکے ہیں، آپ اس کے مستقبل کو کیسے دیکھتے ہیں؟
شیخ احمد یاسینؒ: میں سمجھتا ہوں اسرائیل ظلم و غصب پر قائم ہوا، اور جو بھی چیز ظلم و غصب پر قائم ہوتی ہے اس نے بالآخر برباد ہو کر رہنا ہے۔

احمد منصور: اور اگر اس کے پاس اتنی قوت موجود ہو کہ وہ باقی رہ سکے پھر؟
شیخ احمد یاسینؒ: قوت اور طاقت ہمیشہ رہنے والی نہیں، اس دنیا میں ہمیشہ کسی کے پاس بھی طاقت نہیں رہی۔ بچہ شروع میں چھوٹا ہوتا ہے، پھر لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمری۔۔۔ بس پھر بوڑھا ہو جاتا ہے! یہی معاملہ ممالک اور سلطنتوں کا ہے، ان کی بھی عمر ہوتی ہے، بچپن سے آگے اور آگے سے آگے۔
آخر ایک دن ختم

احمد منصور: اسرائیل اس وقت کس مرحلے میں ہے؟
شیخ احمد یاسینؒ: میرے مطابق اسرائیل ان شاءاللہ اگلی صدی کے ربع اول میں خاتمے کے مراحل میں ہو گا، اور زیادہ صراحت کے ساتھ کہیں تو 2027ء تک اسرائیل موجود نہیں ہو گا۔ یہ 1999ء کا انٹرویو ہے

احمد منصور: یہی تاریخ کیوں؟
شیخ احمد یاسینؒ: کیوں کہ میرا ایمان قرآن پر ہے اور قران ہمیں بتاتا ہے کہ 40 سال میں نئی نسل سامنے آ جاتی ہے۔ پہلے 40 سال میں ہم محض ذلت و رسوائی میں تھے، دوسرے 40 سال میں ہم انتفاضہ، بیداری، مقابلہ، قتال اور بموں کے دور میں ہیں، تیسرے 40ویں میں ان شاءاللہ استبداد کا خاتمہ ہو جائے گا۔

احمد منصور: کیسے اندازہ لگایا جا سکتا؟
شیخ احمد یاسینؒ: یہ قرآنی راہنمائی ہے۔

احمد منصور: قرانی راہنمائی؟
شیخ احمد یاسینؒ: دیکھیں ہمارے رب نے بنی اسرائیل پر وادی سیناء میں 40 سال تک کیوں پابندی لگائی؟ تاکہ فسادزدہ مریض نسل تبدیل ہو جائے اور قتال کرنے والی نسل آجائے۔ ہماری پہلی نسل بھی ایسی رہی، اس کے بعد پتھر اٹھانے اور بم چلانے والی نسل سامنے آئی اور اب اس کے بعد آنے والی نسل آزادی کی نسل ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احمد منصور: شیخ احمد یاسین! آپ مستقبل کو کیسے دیکھتے ہیں؟
شیخ احمد یاسینؒ: ہمارا راستہ دشوار ہے اور قربانی و صبر چاہتا ہے لیکن ان شاء اللہ مستقبل ہمارا ہے جو ہر صورت آنے والا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وہ کبھی بھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

احمد منصور: عوام پر چھائی ہوئی مایوسی کے باوجود بھی آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہی ہو گا؟

شیخ احمد یاسینؒ: جو لوگ قافلے کے راہنما نہیں ان کی مایوسی کی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر قیادت مایوس نہ ہو اور راستے پر پُر عزم رہے تو راستے چلنے والوں کے لیے ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں، میں نے جو قرآن سے راہنمائی لی وہ مدینہ میں نازل ہونے والی اس آیت سے ہے:

"ما ظننتم ان یخرجوا"

ان (مسلمانوں) کا خیال تھا کہ کفار (اپنے قلعوں سے) سے نہیں نکلیں گے۔" یعنی مسلمان یہ گمان کرتے تھے کہ وہ کفار پر قابو پانے کی طاقت نہیں رکھتے

"وظنوا انھم مانعتھم حصونھم من اللہ"

اور وہ (کفار) گمان کرتے تھے کہ ان کے قلعے اللہ کو ان تک آنے سے روک دیں گے۔" آج بھی صورت حال ایسی ہی ہے۔ ظالم ریاستیں مسلمانوں پر حملہ آور ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مسلمان اقصیٰ کو آزاد کروانے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن مسلمان اپنے حال، مستقبل اور طاقت و امکانات کے بارے میں یقین سے خالی ہیں! دوسری طرف کفار کو مکمل یقین ہے کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر اسلحہ ہمارے پاس ہے ایسے میں کون ہم پر فتح پائے گا؟ انہیں اپنی طاقت کا پورا یقین ہے اور ہم اپنی کمزوری سے ڈرتے ہیں۔۔۔ لیکن اللہ کا ارادہ غالب ہو کر رہنے والا ہے!

احمد منصور: آخر میں یہ فرمائیں کہ آپ زندگی کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کون سے اہداف ہیں جن کی آپ کو اپنی زندگی میں پورے ہونے کی تمنا ہے؟

شیخ احمد یاسینؒ: واللہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں ایک ایسا انسان ہوں جو اپنی زندگی جی چکا۔ اِس بندے کی صرف ایک تمنا ہے! صرف ایک خواہش کہ اللہ اِس سے راضی ہو جائے۔ اُس مالک کی رضا اُس کی اطاعت میں مضمر ہے اور اُس کے کلمے کی سربلندی اور زمین کو دشمنانِ خدا کے فساد سے پاک کرنے کے لیے جہاد اُس کی اطاعت ہے! ہدف یہی ہے کہ مسلم سرزمین قبضے سے پاک ہو جائے اور اس پر اسلامی نظام قائم ہو جائے۔ یہی وہ تمنا ہے جس کے لیے میں کوشاں ہوں اور میری آرزو ہے کہ یہی جدوجہد کرتے ہوئے میں اللہ سے جاملوں! اگر زندگی میں ہی ہدف حاصل ہو گیا تو یہ اس کا فضل واحسان ہو گا اور اگر اس سے پہلے موت آگئی تو قافلہ سوئے منزل رواں دواں ہے اور۔۔۔ منزل واضح ہے!

*** واللہ غالب علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون ***

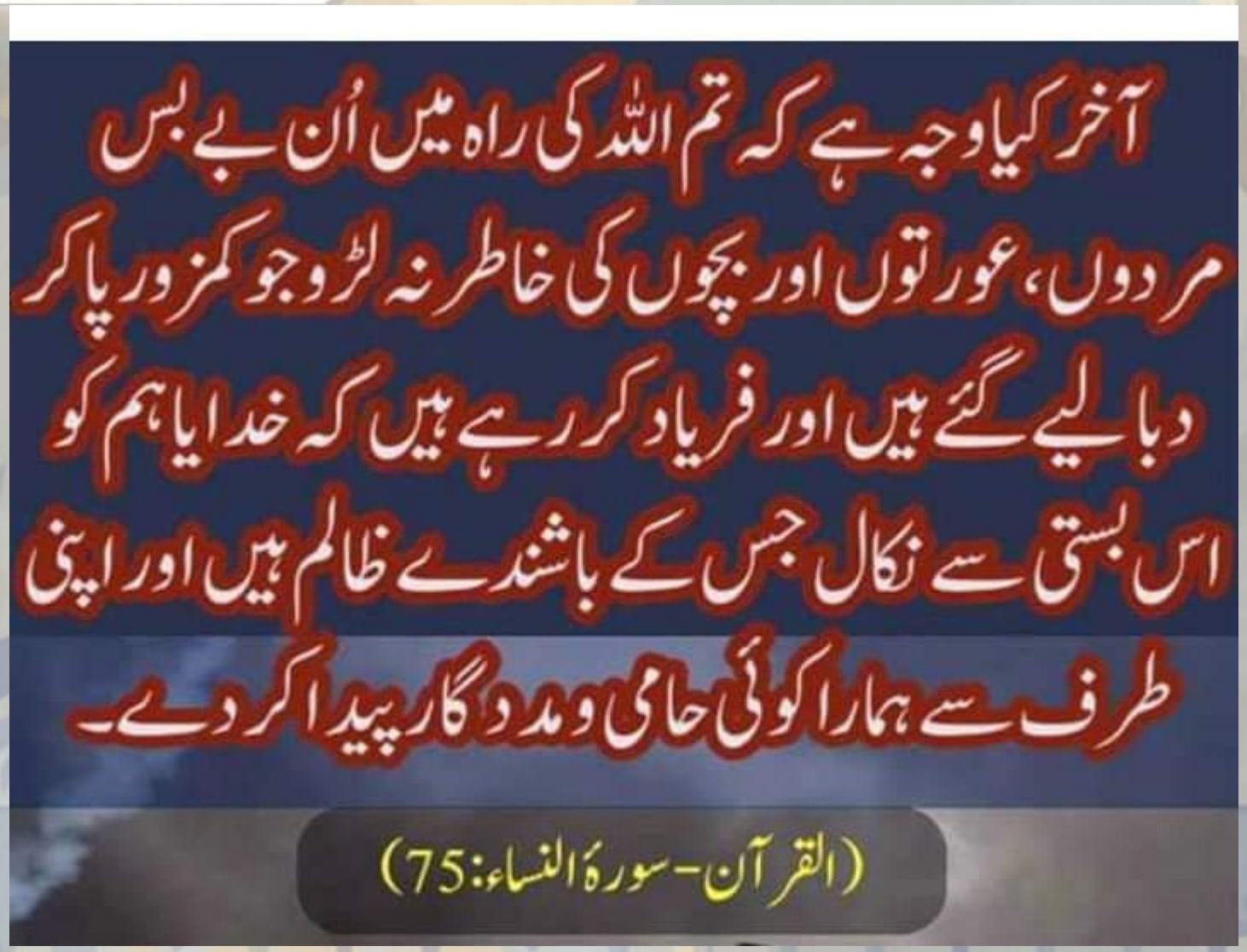
آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس
مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر
دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو
اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی
طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔
(القرآن - سورۃ النساء: 75)

صرف اللہ ہی پر بھروسہ

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں
اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے... تو کون ہے جو اِس کے بعد تمہاری مدد کرے؟
اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

(سورۃ آلِ عمرآن:160)

اسلام کے لیے لڑو۔۔ لڑ نہیں سکتے تو لکھو، لکھ
نہیں سکتے تو بولو، بول نہیں سکتے تو ساتھ دو، ساتھ
بھی نہیں دے سکتے تو جو لڑ، بول اور لکھ رہے ہیں
ان کی مدد کرو اگر مدد بھی نہیں کر سکتے تو ان کے
حوصلوں کو گرنے مت دو کیونکہ وہ آپ کے حصے
کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔